دعوتِ اسلامی کو روکنے کے لیے قریش کی تدبیریں

(۳)

۶۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم

مخالفت و مزاحمت کی دوسری تدبیروں کے ساتھ کفار قریش کی ایک نہایت سنگدلانہ تدبیر یہ تھی کہ جس جس کے متعلق ان کو معلوم ہوتا کہ وہ مسلمان ہوگیا ہے، یا جس نے بھی کسی طرح اپنے اسلام کا اظہار کیا، اُس پر انہوں نے بے تحاشا ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا، اور اس کو اسلام لانے سے پھیرنے کے لیے دباؤ ڈالنے کا کوئی ممکن طریقہ استعمال کرنے سے ذرا دریغ نہ کیا۔ اوّل اوّل تو یہ طریقہ رہا کہ اسلام قبول کرنے والوں میں سے جو لوگ کچھ عزت اور خاندانی شرف وحمایت رکھتے تھے ان سے مل کر ان کو ملامت کی جاتی کہ تم نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے حالانکہ وہ تم سے زیادہ بھلائی اور برائی کی سمجھ رکھنے والے ہیں، اب اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ذلیل و خوار کریں گے، تمہیں احمق ٹھیرائیں گے اور تمہاری عزت خاک میں ملا دیں گے۔ جو لوگ کوئی تجارتی کاروبار یا صنعتی پیشہ کرتے تھے ان کو دھمکیاں دی جاتیں کہ یا تو اسلام چھوڑ دو، نہیں تو تمہاری تجارت برباد کر دی جائے گی اور تمہارے پیشے کو نہیں چلنے دیا جائے گا، یہاں تک کہ تم بھوکے مرنے لگو گے۔ رہے بے سہارا اور کمزور لوگ تو ان کو سخت عذاب دیے جاتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ نوبت یہ آگئی کہ عزت دار اور خاندانی لوگوں کو بھی مارا پیٹا اور باندھا جانے لگا۔

خاندانی لوگوں پر مظالم | ابن اسحاق اور طبری نے حضرت عُروَہ بن زبیر کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ قریش کے سرداروں نے باہم طے کیا کہ ان کے بیٹوں، بھائیوں اور قبیلہ کے لوگوں میں سے جس جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی قبول کی ہے اس پر جبر و ظلم کر کے اُسے زبردستی اِس دین سے پھیرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد مکہ میں حضورؐ کے پیرووں پر ایک فتنۂ عظیم برپا ہوگیا۔

حضرت ابوبکرؓ جیسے معزز آدمی کو نَوفَل بن خُوَیلِد بن العَدَوِیّہ نے، جو اَسَدِ قریش (قریش کا شیر) کہلاتا تھا، پکڑ کر حضرت طلحہؓ کے ساتھ باندھ دیا، اور اُن کے خاندان بنو تیم نے اُن کو بچانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اس پر حضورؐ

نے دُعا فرمائی: اللھم اکفنا شر ابن العدویة ۔ "خدایا، ابن العدویّہ کے شر سے ہم کو بچانے کا تو ہی ذمہ لے لے" (بیہقی - ابن سعد) ۔حضرت زبیرؓ بن العوّام کو ان کا چچا ایک چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا تھا اور نیچے سے دھونی دیتا اور کہتا جاتا تھا کہ اسلام سے رجوع کر، مگر وہ برابر یہی جواب دیے جاتے کہ میں کبھی کفر نہ کروں گا (ابن سعد - طبرانی) ۔حضرت عثمانؓ کو اُن کے چچا حکم (مروان کے باپ) نے باندھ دیا اور کہا کہ تو باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کرتا ہے ۔ میں تجھے نہیں کھولوں گا جب تک تو اس دین کو چھوڑ نہ دے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اسے نہیں چھوڑوں گا خواہ کچھ ہو جائے (ابن سعد) ۔حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر کو ان کے چچا زاد بھائی عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) نے سخت اذیتیں دیں، اور ان کے اہل خاندان نے ان کو قید کر دیا یہاں تک کہ وہ بھاگ نکلے اور پہلی ہجرت حبشہ کے موقع پر مہاجرین کے ساتھ چلے گئے (ابن سعد)۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور ان کے بھائی عامر کو ان کی ماں نے بے حد تنگ کیا، مگر وہ اپنے دین سے نہ ہٹے (ابن سعد) انہی کے متعلق مُسند احمد، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں آیا ہے کہ حضرت سعدؓ کی ماں حَمنہ بنت سُفیان بن اُمیّہ (ابوسفیان کی بھتیجی) نے ان سے کہا، "جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہ کرے گا میں نہ کھاؤں گی، نہ پیوں گی، نہ سایے میں بیٹھوں گی۔ ماں کا حق ادا کرنا تو اللہ کا حکم ہے۔ تو میری بات نہ مانے گا تو اللہ کی بھی نافرمانی کرے گا۔" وہ اس پر سخت پریشان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت اُتری: وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ۚ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (العنکبوت - ۸) ۔ "اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت کی ہے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو اُن کی بات نہ مان۔"

حضرت خالد بن سعید کی سرگذشت

حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کو جب پتہ چلا کہ ان کے باپ ابواُحیحہ سعید بن العاص کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا ہے تو وہ اُس کے ڈر سے چھپ گئے۔ مگر اس نے ان کو تلاش کر کے پکڑوا بلایا اور سخت سُست کہنے کے بعد ان کو اتنا مارا کہ وہ لکڑی ٹوٹ گئی جس سے وہ انہیں مار رہا تھا۔ پھر کہا کہ "تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کر لی، حالانکہ تو دیکھ رہا ہے کہ وہ اپنی قوم کی مخالفت کر رہا ہے، دین آبائی میں عیب نکال رہا ہے اور اُن اسلاف کو گمراہ قرار دے رہا ہے جو اس دین کی پیروی کرتے رہے ہیں۔" حضرت خالدؓ نے کہا خدا کی قسم وہ سچے ہیں اور میں ان کا پیرو ہوں۔ ابواُحیحہ نے ان کو پھر مارا اور گالیاں دیں اور کہا کہ نالائق،

جہاں تیرا جی چاہے چلا جا، میرے گھر میں تجھے کھانا نہیں ملے گا۔ انہوں نے کہا آپ میرا رزق بند کر دیں گے تو اللہ مجھے رزق دے گا۔ پھر وہ حضورؐ کے پاس آئے اور آپ ہی کے ساتھ رہنے لگے۔ ایک روز مکہ کے نواحی میں کسی سنسان جگہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو اجیحہ کو اس کی خبر پہنچ گئی۔ اس نے بلا کر ان سے کہا کہ دینِ محمدؐ چھوڑ دے۔ انہوں نے جواب دیا میں مرتے دم تک یہ دین نہیں چھوڑوں گا۔ یہ جواب سن کر ابو اجیحہ نے ان کے سر پر لکڑی مارنی شروع کی یہاں تک کہ لکڑی ٹوٹ گئی۔ پھر انہیں قید کر دیا اور تین دن تک بھوکا پیاسا بند رکھا۔ مکہ کی گرمی میں حضرت خالدؓ یہ عذاب بھگتتے رہے۔ آخر موقع پا کر گھر سے بھاگ نکلے اور مکہ کے نواحی میں پھرتے رہے، یہاں تک کہ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت ہوئی اور یہ ان مہاجرین کے ساتھ چلے گئے (ابن سعد۔ بیہقی نے بھی مختصراً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے)۔

حضرت ابوبکرؓ پر ظلم عظیم ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دارِ ارقم سے نکل کر مسجد حرام تشریف لے گئے۔ وہاں یکایک حضرت ابوبکرؓ نے اٹھ کر تقریر شروع کر دی اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف دعوت دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اِس طرح کسی نے حرم میں علی الاعلان دعوتِ اسلام دی ہو۔ مشرکین یہ تقریر سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے اور ان کو گرا کر پاؤں سے روندا اور عُتبہ بن رَبیعہ نے ان کے منہ پر اتنے جوتے مارے کہ سارا منہ سوج گیا اور ناک اس میں چھپ گئی۔ یہ حال دیکھ کر ان کے قبیلے والے (بنو تَیم) آگے بڑھے اور کفار سے ان کو چھڑا کر ان کے گھر لے گئے۔ انہیں اس امر میں کوئی شک نہ رہا تھا کہ یہ اب مر جائیں گے، اس لیے وہ پلٹ کر مسجد میں گئے اور کہا کہ خدا کی قسم، اگر ابوبکرؓ مر گئے تو ہم عُتبہ کو جیتا نہ چھوڑیں گے۔ شام تک حضرت ابوبکرؓ بے سُدھ پڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو اُن کا پہلا سوال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس پر بنو تَیم نے ان کو بُرا بھلا کہا، ملامت کی، اُٹھ کر چلے گئے اور جاتے ہوئے اُن کی والدہ اُمّ الخیر سے کہہ گئے کہ انہیں کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ ماں بیٹے جب تنہا رہ گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنی والدہ سے پھر وہی سوال کیا۔ انہوں نے کہا بخدا مجھے تمہارے دوست کا کچھ حال معلوم نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ذرا ام جمیل بنت خَطّاب (یعنی فاطمہ بنت خَطّاب، حضرت عمرؓ کی بہن[1]) سے جا کر پوچھیے۔ وہ اُس وقت مسلمان ہو چکی تھیں مگر انہوں نے

---

[1] طبرانی نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطّاب کی کُنیت امّ جمیل تھی۔ عبدالرزاق نے المُصَنّف میں امام زہری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی بہن امّ جمیل کے گھر میں قرآن سُن کر ایمان لائے تھے اور دوسری روایات میں ان خاتون کا نام فاطمہ بنت خطاب آیا ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی انہی بہن کا نام فاطمہؓ تھا اور انہی کی کُنیت امّ جمیل تھی۔

اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ نے جب جا کر ان سے کہا کہ ابوبکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ کا حال پوچھ رہے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ کو جانتی ہوں نہ ابوبکرؓ کو، البتہ آپ چاہیں تو میں ابوبکرؓ کے پاس چلتی ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں، چلو۔ وہ آئیں تو حضرت ابوبکرؓ کو بدحال پڑے دیکھ کر چیخ اُٹھیں کہ "خدا کی قسم، جن لوگوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ کافر اور فاسق ہیں اور میں اُمید رکھتی ہوں کہ اللہ اُن سے تمہارا انتقام لے گا"۔ حضرت ابوبکر نے کہا رسول اللہؐ کا کیا حال ہے؟ اُنہوں نے چپکے سے کہا آپ کی ماں سُن رہی ہیں۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا ان کی فکر نہ کرو، ان سے کوئی خوف نہیں ہے۔ تب امّ جمیل نے کہا حضورؐ بالکل خیریت سے ہیں۔ پوچھا کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا دارِ اَرقم میں۔ حضرت ابوبکر نے کہا واللہ، میں نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک اُن کے پاس نہ جاؤں۔ امّ جمیل نے کہا ذرا ٹھیر جایئے۔ پھر جب شہر میں سکون ہو گیا تو وہ اور امّ الخیر اُن کو سہارا دے کر دارِ اَرقم لے گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا حال دیکھ کر رقّت طاری ہو گئی۔ آپؐ اُن پر جھکے اور اُن کو چوم لیا۔ دوسرے مسلمان بھی جو وہاں موجود تھے ان پر جھکے اور ان کی حالت دیکھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہے سوائے اُس تکلیف کے جو اُس فاسق نے میرے منہ پر جوتے برسا کر پہنچائی۔ یہ میری ماں اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہیں۔ آپ بابرکت ہیں۔ اِن کو اللہ کی طرف دعوت دیجیے اور دُعا فرمایئے کہ اللہ اِن کو آگ سے بچا لے"۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کے لیے دُعا کی اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔ یہ واقعہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حافظ ابوالحسن خَیثمہ بن سلیمان الاَطرابلسی کی کتاب "فضائل الصحابہ" سے بتفصیل نقل کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے اِصابہ میں اسے مختصراً امّ الخیرؓ کے حالات میں بیان کیا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو بُری طرح مارا جاتا ہے

ابنِ اسحاق حضرت عُروہ بن زُبیر سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک روز صحابہ کرامؓ نے آپس میں کہا کہ قریش نے کبھی کسی کو (یعنی ہم میں سے کسی کو) علانیہ باآوازِ بلند قرآن پڑھتے نہیں سُنا ہے، ہم میں کون ہے جو ایک دفعہ اُن کو یہ کلامِ پاک سُنا ڈالے؟ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے کہا میں یہ کام کرتا ہوں۔ صحابہ نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ وہ تم پر زیادتی کریں گے۔ ہمارے خیال میں کسی ایسے شخص کو یہ کام کرنا چاہیے جس کا خاندان زبردست ہو، تاکہ اگر قریش کے لوگ اُس پر دست درازی کریں تو اُس کے خاندان والے اس کی حمایت پر اُٹھ کھڑے ہوں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا مجھے یہ کام کر ڈالنے دو، میرا محافظ اللہ ہے۔ پھر وہ دن چڑھے حرم میں پہنچے جبکہ قریش کے سردار وہاں اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے مقامِ ابراہیم پر

پہنچ کر پورے زور سے سورۂ رحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ قریش کے لوگ پہلے تو سوچتے رہے کہ عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر جب انہیں پتہ چلا کہ یہ وہ کلام ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے کلام کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تو وہ اُن پر ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر تھپڑ مارنے لگے۔ مگر حضرت عبداللہ نے پروا نہ کی۔ پٹتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے۔ جب تک اُن کے دَم میں دَم رہا قرآن سُناتے چلے گئے۔ آخرکار جب وہ اپنا سُوجا ہوا منہ لے کر پلٹے تو ساتھیوں نے کہا ہمیں اسی چیز کا ڈر تھا۔ اُنہوں نے جواب دیا آج سے بڑھ کر یہ خدا کے دشمن میرے لیے کبھی ہلکے نہ تھے، تم کہو تو کل پھر انہیں قرآن سُناؤں۔ سب نے کہا بس اتنا ہی کافی ہے۔ جو کچھ وہ نہیں سُننا چاہتے تھے وہ تم نے انہیں سُنا دیا۔ (ابن ہشام۔ جلد اوّل، ص ۳۳۶)

بے کس غلاموں، لونڈیوں اور موالی پر ظلم سب سے زیادہ دردناک مظالم اُن غلاموں، لونڈیوں اور موالی پر توڑے گئے جو اسلام لے آئے تھے اور جن کا مکّہ میں کوئی پُشت پناہ نہ تھا۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:-

حضرت بلالؓ ان میں سے ایک حضرت بِلالؓ بن رَبَاح تھے جو بنی جُمَح میں سے کسی کے غلام تھے اور غلامی کی حالت ہی میں ان کے ماں پیدا ہوئے تھے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ حبشی تھے، جیسا کہ طَبَرانی وغیرہ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے۔ ان کے اسلام لانے کا حال جب کھلا تو اُمَیَّہ بن خَلَف جُمَحی نے ان کو طرح طرح کے عذاب دیے۔ ابن ہشام اور بَلاذُری نے لکھا ہے کہ وہ دوپہر کو سخت گرمی کے وقت انہیں نکال کر لے جاتا، مکّہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا اور کہتا کہ خدا کی قسم تُو اِسی طرح پڑا رہے گا جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر کے لات اور عزّٰی کی عبادت نہ کرے۔ مگر وہ جواب میں بس اَحَدٌ اَحَدٌ ہی کہے چلے جاتے۔ بَلاذُری نے حضرت عَمروؓ بن العاص کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے بلالؓ کو ایسی سخت تپتی ہوئی زمین پر لیٹے دیکھا ہے جس پر اگر گوشت رکھ دیا جاتا تو وہ پک جاتا۔ مگر وہ اس حالت میں بھی صاف کہہ رہے تھے کہ میں لات اور عُزّٰی کا انکار کرتا ہوں۔ حضرت حَسّانؓ بن ثابت کا آنکھوں دیکھا حال بلاذری نے نقل کیا ہے کہ (میں حج یا عمرے) کے لیے مکّہ گیا تو دیکھا کہ بلالؓ ایک رسّی سے بندھے ہوئے ہیں اور لڑکے اُن کو گھسیٹے پھر رہے ہیں، مگر وہ کہے جا رہے ہیں کہ میں لات اور عزّٰی اور ہُبَل اور اِساف اور نائلہ اور بُوانہ، سب کا انکار کرتا ہوں۔" خود حضرت بلالؓ کا بیان بلاذری میں یہ ہے کہ مجھے ایک دفعہ ایک دن اور ایک رات پیاسا رکھا گیا اور تپتی ہوئی ریت پر لے جا کر ڈال دیا گیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کے گلے میں رسّی باندھ کر ان کو لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا اور وہ مکّے کی گھاٹیوں میں انہیں گھسیٹے لیے پھرتے۔ پھر تپتی ہوئی ریت پر لا کر اوندھے منہ لٹا دیتے اور ان پر پتھروں کا ڈھیر لگا دیتے۔ ایسے ہی اور

سخت عذاب دے دے کر ان سے کہا جاتا کہ تمہارے رب لات اور عُزّٰی ہیں۔ مگر وہ احد احد ہی کہتے رہتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا گھر بنی جُمَح کے محلے ہی میں تھا۔ وہ یہ ظلم دیکھتے دیکھتے تنگ آگئے۔ ابن ہشام کی روایت ہشام بن عُروَہ سے یہ ہے کہ انہوں نے اپنا ایک تنومند حبشی غلام ان کے بدلے میں دے کر انہیں خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ اور ابن ابی شَیبہ نے قیس بن حازم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے قیمت دے کر انہیں خریدا اور آزاد کیا تھا۔ اسی مضمون کی روایات ابن سعد نے بھی نقل کی ہیں۔ البتہ قیمتوں میں اختلاف ہے۔

حضرت عمّارؓ بن یاسرؓ ابن سعد کا بیان ہے کہ یاسرؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے مکہ آئے اور ابو حُذَیفہ بن مُغیرہ مخزومی سے حلیفانہ تعلق قائم کر لیا اور ابو حُذیفہ نے اپنی لونڈی سُمَیّہ سے ان کی شادی کر دی۔ جب اسلام آیا تو یاسرؓ، سُمَیّہؓ، عمّارؓ اور ان کے بھائی عبداللہؓ سب مسلمان ہو گئے۔ اس پر پورا خاندان سخت مبتلائے عذاب کر دیا گیا۔ بَلاذُری نے امّ ہانیؓ سے اور طبرانی نے حضرت عثمانؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس مقام سے گزر رہے تھے جہاں اِن لوگوں کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ آپ کو اس پر سخت رنج ہوا اور آپ نے فرمایا صَبْرًا آلَ یَاسِر فَاِنَّ موعدکم الجنّۃ۔ "صبر کرو اے آلِ یاسر، تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔" امام احمد اور ابن سعد نے حضرت عثمانؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ وہ حضورؐ کے ساتھ اُس مقام سے گزرے جہاں اِس خاندان کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا "صبر کرو، یا اللہ آلِ یاسر کی مغفرت فرمادے، اور تُو نے تو ان کی مغفرت کر ہی دی۔" محمد بن کعب قُرَظی کا بیان ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمّارؓ کو ایک مرتبہ کُرتا اُتارے ہوئے دیکھا تو ان کی پیٹھ پر داغ ہی داغ نظر آئے۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ اُس عذاب کے نشانات ہیں جو مکہ کی تپتی ہوئی زمین پر مجھے دیے جاتے تھے۔ عَمرو بن مَیمون کے حوالے سے ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے حضرت عمّارؓ کو آگ کے انگاروں سے داغا اور حضورؐ نے فرمایا "اے آگ عمّار پر اُسی طرح ٹھنڈی ہو جا جس طرح تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہوئی تھی"۔ آخرکار اُن کے والد یاسرؓ عذاب کی سختیاں سہتے سہتے انتقال کر گئے۔ پھر ابوجہل نے ان کی والدہ سُمَیّہؓ کو قتل کر دیا۔ اُن کے بھائی عبداللہؓ کو تیر مارا گیا اور وہ گر گئے۔ اب صرف حضرت عمّارؓ رہ گئے تھے۔ ان کو پانی میں غوطے دیے گئے یہاں تک کہ ان سے برداشت نہ ہو سکا اور انہوں نے حضورؐ کا انکار اور ان کے معبودوں کی تعریف کر کے جان چھڑائی۔ پھر روتے ہوئے حضورؐ کے پاس آئے اور یہ حال بیان کیا۔ آپ نے پوچھا اپنے دل کی کیا کیفیت پاتے ہو؟ عرض کیا کہ بالکل ایمان پر مطمئن۔ آپ نے فرمایا، اگر آئندہ ایسا موقع آئے تو پھر بھی یہی کچھ کہہ دینا۔ بیہقی، ابن سعد، ابن جریر،

بلاذری، عَوفی وغیرہم نے یہ واقعہ نقل کر کے متعدد مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سورۂ نحل کی آیت ۱۰۴ اِسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے، وہ اگر مجبور کیا گیا ہو اور دل اُس کا ایمان پر مطمئن ہو تب تو معاف ہے، البتہ جو شرحِ صدر کے ساتھ کُفر اختیار کرے اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کے لیے سخت عذاب ہے۔

حضرت خَبّابؓ بن الارَت | یہ اصل میں عراقی تھے۔ قبیلۂ رَبیعہ میں سے ایک گروہ نے ان کو پکڑ کر غلام بنا لیا اور مکّہ لا کر بنی خزاعہ کے ایک خاندان آلِ سِباع کے ہاتھ بیچ دیا جو بنی زُہرہ کا حلیف تھا۔ یہ ایک کاریگر آدمی تھے۔ لوہاری کا پیشہ کرتے اور تلواریں بنایا کرتے تھے۔ مسلمان ہونے کے قصور میں پہلے تو انہیں پیٹ کی مار دی گئی۔ مُسند احمد، بخاری اور مسلم میں خود ان کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ میرا کچھ قرض عاص بن وائل سَہمی پر آتا تھا۔ میں اس کے پاس تقاضے کے لیے جاتا تو وہ کہتا کہ میں تجھے کچھ نہ دوں گا جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہ کرے۔ میں اس کو جواب دیتا کہ میں ہرگز ان کا انکار نہ کروں گا خواہ تو مرے اور پھر زندہ ہو۔ ابن سعد میں ہے کہ اس پر عاص کہتا کہ "اچھا تو مرنے کے بعد پھر جب میں اپنے مال اور اولاد کی طرف پلٹوں گا تو ادا کر دوں گا"۔ ابن ہشام نے یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ عاص نے ان سے بہت سی تلواریں بنوائیں اور قرض بڑھتا چلا گیا۔ انہوں نے جب تقاضا کیا تو اس نے کہا کہ تیرا یہ صاحب، جس کے دین پر تو ہے، کہتا ہے کہ جنت میں بہت سونا چاندی کپڑا اور خدمت گار ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا تو پھر مجھے قیامت تک مہلت دے۔ وہاں میں ادا کر دوں گا کیوں کہ وہاں تُو اور تیرا صاحب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے زیادہ مقبول نہ ہوں گے۔ اس طرح پیٹ کی مار دینے سے بھی جب ظالموں کا دل نہ بھرا تو انہوں نے ان کو سخت عذاب دینے شروع کیے۔ ابن سعد اور بلاذری نے شَعبی کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں انہوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی جو بالکل برص کے مریض کی کھال جیسی ہو رہی تھی، اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ مشرکین نے آگ جلا کر مجھے اس پر گھسیٹا، پھر ایک شخص میرے سینے پر کھڑا ہو گیا اور میری چربی پگھلنے سے آگ بُجھ گئی۔

حضورؐ سے حضرت خبّابؓ کی فریاد اور آپؐ کا جواب | انہی مظالم کے زمانہ کا وہ واقعہ ہے جو امام احمد بن حنبل، بخاری، ابو داؤد اور نسائی نے خود حضرت خبّاب سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں مشرکین کی سختیوں سے ہم بُری طرح تنگ آئے ہوئے تھے، ایک روز میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی دیوار کے سایے

میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسولؐ اللہ، اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے، آپ ہمارے لیے دُعا نہیں فرماتے؟" یہ سُن کر آپ کا چہرۂ مبارک تمتما اُٹھا اور آپ نے فرمایا "تم سے پہلے جو اہلِ ایمان گزر چکے ہیں اُن پر اس سے زیادہ سختیاں توڑی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی کو گڑھا کھود کر بٹھایا جاتا اور اس کے سر پر آرہ چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر ڈالے جاتے، اور کسی کے جوڑوں پر لوہے کے کنگھے گھِسے جاتے تھے تاکہ وہ ایمان سے باز آجائے، پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا جب ایک شخص صنعاء سے حضرِ موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا، مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو"۔

حضرت ابوبکرؓ کا مظلوم غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا اس ظلم و ستم کے دور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بے تحاشا دولت خرچ کر کے متعدد مظلوم غلاموں اور لونڈیوں کو خرید خرید کر آزاد کر دیا۔ ابن ہشام نے ایسے سات افراد کے نام لیے ہیں۔ لیکن بیہقی، ابن اسحاق، ابن عبدالبرؒ اور ابن حجرؒ وغیرہ نے جو نام گنائے ہیں ان کو جمع کرنے سے جملہ ۹ افراد کی تعداد بنتی ہے۔

(۱) حضرت بلالؓ جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

(۲) اُن کی والدہ حمامہؓ۔ ابن عبدالبرؒ نے بیان کیا ہے کہ ان کو بھی راہِ خدا میں عذاب دیا جاتا تھا۔

(۳) عامرؓ بن فُہیرہ۔ ابن سعد، طبری اور بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کے ماں جائے بھائی طُفَیل بن الحارث کے غلام تھے اور اُن مظلوموں میں شامل تھے جنہیں عذاب دیا جاتا تھا۔

(۴) ابوفُکیہہ۔ ان کے متعلق ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اُمیّہ بن خلف ان کو سخت عذاب دیتا تھا۔ اور طبقات ابن سعد اور اُسد الغابہ میں ہے کہ بنی عبدالدار کے کچھ لوگ، جن کی غلامی میں یہ تھے، انہیں دوپہر کے وقت سخت گرمی میں نکالتے، لوہے کی بیڑیاں پہنا کر اُن کو تپتی ہوئی زمین پر اوندھا لٹا دیتے اور ان کی پیٹھ پر پتھر رکھ دیتے، یہاں تک کہ یہ ہوش گم کر بیٹھتے۔

(۵) لُبَینَہ یا لُبَیبہ۔ بلاذری نے ان کا نام لکھا ہے اور ابن ہشام نے نام لیے بغیر ان کا ذکر بنی مُؤَمّل (بنی عدی کی ایک شاخ) کی لونڈی کی حیثیت سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ عمر بن خطاب اپنے زمانۂ کفر میں اُن کو خوب مارتے اور جب مارتے مارتے تھک جاتے تھے تو کہتے کہ میں نے صرف تھک جانے کی وجہ سے تجھے چھوڑا ہے، اور یہ جواب دیتیں کہ اللہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کرے۔

(۶ - ۷) نَہدِیَّہ اور ان کی بیٹی - یہ دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں - ان کی مالکہ بھی ان پر ظلم کرتی تھی -

(۸) زِنّیرَہ (استیعاب میں ان کا نام زَنبَرہ لکھا ہے) - ابن اثیر نے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ یہ بنی عَدِی کی لونڈی تھیں اور عمر بن خطاب ان کو عذاب دیتے تھے - اور دوسری روایت یہ ہے کہ بنی مخزوم کی لونڈی تھیں اور ابوجہل ان کو عذاب دیتا تھا، یہاں تک کہ ان کی بینائی جاتی رہی - ابوجہل نے کہا لات اور عزّیٰ نے تجھے اندھا کر دیا - انھوں نے کہا لات اور عزّیٰ کو تو خبر بھی نہیں کہ انہیں کون پوج رہا ہے، یہ فیصلے تو آسمان سے ہوتے ہیں اور میرا رب اس پر قادر ہے کہ میری بینائی واپس دے دے - چنانچہ دوسرے روز وہ اُٹھیں تو اللہ نے ان کی بینائی بحال کر دی تھی - یہی بَلاذُری کی روایت ہے - مگر ابن ہشام نے اس کے برعکس یہ لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تو ان کی بینائی جاتی رہی - قریش کے لوگوں نے اس پر کہنا شروع کیا کہ لات و عزّیٰ نے اسے اندھا کر دیا - انھوں نے کہا بیت اللہ کی قسم، یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں - لات و عزّیٰ کسی کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان - اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی بحال فرما دی -

(۹) اُمِّ عُبَیس (بعض نے عُنَیس اور بعض نے عُمَیس لکھا ہے) - بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ بنی زُہرہ کی لونڈی تھیں اور اَسْود بن عبدِ یغوث ان پر ظلم ڈھاتا تھا -

حضرت ابوبکرؓ کے والد کا اعتراض اور آپ کا ان کو جواب

ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن عساکر نے حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو اس طرح ان غریب غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی پر روپیہ خرچ کرتے دیکھ کر ان کے والد ابوقُحافہ نے (جو اُس وقت مشرک تھے) ان سے کہا کہ بیٹا، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور لوگوں کو آزاد کرا رہے ہو - اگر مضبوط جوانوں کی آزادی پر تم یہی روپیہ خرچ کرتے تو وہ تمہارے لیے قوتِ بازو بنتے - حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ "اباجان میں تو وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے ہاں ہے" - یہ واقعہ سورۂ لیل کی اس آیت کا بہترین مصداق ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "جہنم کی اس آگ سے دُور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار آدمی جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے، اُس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو - وہ تو صرف اپنے ربِّ برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے" (آیات ۱۷ تا ۲۰) - یعنی وہ اپنا مال جن لوگوں پر صرف کرتا ہے ان کا کوئی احسان پہلے سے اس پر نہ تھا کہ وہ اس کا بدلہ چکانے کے لیے، یا آئندہ ان سے مزید فائدہ اُٹھانے کے لیے ان کو ہدیے اور تحفے دے رہا ہو اور ان کی دعوتیں کر رہا ہو، بلکہ وہ اپنے ربِّ برتر کی رضا جوئی کے لیے ایسے لوگوں

کی مدد کر رہا ہے جس کا نہ پہلے اس پر کوئی احسان تھا، نہ آئندہ ان سے وہ کسی احسان کی توقع رکھتا ہے۔

ظلم کے نتائج

قریش نے مسلمانوں پر ظلم ڈھا کر بظاہر یہ فائدہ اُٹھانا چاہا تھا کہ لوگوں پر خوف طاری کر کے اسلام کے پھیلاؤ کو روک دیں۔ لیکن اس کے جو نتائج فی الواقع نکلے وہ اُن کی توقعات کے بالکل خلاف تھے۔ اوّل تو اس سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آگئی کہ اسلام جو اخلاق اور دلائل لے کر آیا ہے اُن کا کوئی جواب کُفر کے پاس اِن خلافِ انسانیت حربوں کے سوا نہیں ہے۔ دوسرے اِس بے رحمی و سنگدلی کو دیکھ کر ہر نیک سرشت انسان کی فطرت کُفر اور اس کے علمبرداروں سے نفرت کرنے لگی، اور جس صبر و استقامت کے ساتھ مسلمانوں نے اس بے جا ظلم کو برداشت کیا اس کی وجہ سے تمام غیر متعصب دلوں میں ان کے لیے ہمدردی بھی پیدا ہوئی اور قدر و منزلت بھی۔ بلکہ درحقیقت اُس نے اسلام کی دھاک بٹھا دی کہ کیسے ہی کے معاشرے میں سے اُس کو ایسے پختہ، اولوالعزم اور زبردست قوتِ ایمانی رکھنے والے انسان مل گئے ہیں جو کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں، صرف حق کی خاطر ہر بڑی سے بڑی مصیبت جھیل سکتے ہیں۔ پھر کفار کے یہ حربے اسلام کے پھیلاؤ کو بھی نہ روک سکے۔ اس ظلم کے باوجود ایسے اللہ کے بندے نکلتے ہی رہے جنہوں نے کُفّار کے علی الرّغم اسلام قبول کیا اور بہت سے لوگ دل میں ایمان لے آئے مگر اس کا اظہار انہوں نے نہیں کیا جس کی وجہ سے اَعدائے اسلام کبھی یہ صحیح اندازہ نہ کر سکے کہ ان کے درمیان اِس دین کے کتنے حامی چھُپے ہوئے ہیں جن کی پوشیدہ حمایت کُفر کے حصار میں بڑے رخنے ڈال سکتی ہے۔ سب سے بڑا فائدہ اِس ظلم کا اسلام کو یہ پہنچا کہ اس بھٹّی سے گذر کر جو لوگ بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ آئے وہ نسلِ آدم کے بہترین انسان تھے۔ اس حالت میں کوئی کمزور سیرت و کردار کا آدمی اِس طرف رُخ بھی نہ کر سکتا تھا۔

ایک اور زمانۂ فَترَۃ

اللہ تعالیٰ کی حکمت کے کام بھی نرالے ہیں جنہیں عقلِ نارسا کبھی نہیں سمجھ سکتی۔ عین وہ زمانہ جبکہ کفر و اسلام کی یہ کشمکش اِس شدّت کو پہنچی ہوئی تھی، اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مسلمانوں پر زندگی کا ایک ایک لمحہ سخت گذر رہا تھا، بظاہر تو اس بات کا مقتضی تھا کہ حضوؐر پر وحی کا نزول پیہم جاری رہتا، جس میں ہر روز پیش آنے والے نت نئے حالات میں رہنمائی بھی ہوتی، نبیؐ و اصحابِ نبیؐ کے لیے تسلّی اور ہمت افزائی بھی ہوتی، اور کفار کے لیے ان مظالم پر تہدید بھی۔ لیکن اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکایک نزولِ وحی کا سلسلہ بند ہوگیا، جس پر حضوؐر بھی سخت پریشان ہوئے اور کفّار کو بھی باتیں بنانے کا خوب موقع ملا۔

اِس فَترَۃِ وحی کا زمانہ ٹھیک کونسا تھا، یہ تو معلوم نہیں ہے، مگر اس سلسلہ میں جو روایات احادیث میں منقول ہوئی ہیں ان سے بھی، اور خود اُن دو سورتوں کے مضمون سے بھی جو اس فَترَۃ کے خاتمہ پر نازل ہوئیں صاف معلوم

ہوتا ہے کہ یہ دعوتِ عام شروع ہو جانے اور کارزارِ کفر و اسلام کا میدان گرم ہو جانے کے بعد پیش آیا تھا مختلف روایات میں اس فَترۃ کی مدت مختلف بیان کی گئی ہے۔ ابن جُرَیج نے ۱۲ روز، کلبی نے ۱۵ روز، ابن عباس نے ۲۵ روز، سُدّی اور مقاتل نے ۴۰ روز اس کی مدت بیان کی ہے۔ بہر حال یہ زمانہ اتنا طویل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر سخت غمگین ہو گئے تھے، اور مخالفین بھی آپ کو طعنے دینے لگے تھے، کیونکہ حضورؐ پر جو نئی سورۃ نازل ہوتی تھی، اُسے آپؐ لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ اس لیے جب اچھی خاصی مدت تک آپ نے کوئی نئی وحی لوگوں کو نہ سُنائی تو مخالفین نے سمجھ لیا کہ وہ سرچشمہ بند ہو گیا ہے جہاں سے یہ کلام آتا تھا۔ جُندُب بن عبداللہ البجلیؓ کی روایت ہے کہ جب جبریل علیہ السلام کے آنے کا سلسلہ رُک گیا تو مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے رب نے چھوڑ دیا (ابن جریر، طبرانی، عَبد بن حُمید، سعید بن منصور، ابن مَردُوِیَہ)۔

دوسری روایات میں مذکور ہے کہ ابولہب کی بیوی امّ جمیل نے، جو حضورؐ کی چچی تھی اور جس کا گھر حضورؐ کے مکان سے متصل تھا، آپؐ سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے"۔ عَوفی اور ابن جریر نے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ کئی روز تک جبریلؑ کی آمد رک جانے سے حضورؐ پریشان ہو گئے اور مشرکین کہنے لگے کہ ان کا رب ان سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ قتادہ اور ضَحّاک کی مُرسَل روایات میں بھی قریب قریب یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اس صورتِ حال میں حضورؐ کے شدید رنج و غم کا حال بھی متعدد روایات میں آیا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ محبوب کی طرف سے بظاہر عدم التفات، کُفر و ایمان کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد اُسی ذریعہ طاقت سے بظاہر محرومی جو اس جانگسل کشمکش کے منجدھار میں آپؐ کے لیے واحد سہارا تھا، اور اُس پر مزید دشمنوں کی شماتت، یہ ساری چیزیں مل جل کر لامحالہ حضورؐ کے لیے سخت پریشانی کی موجب ہو رہی ہوں گی اور آپ کو بار بار یہ شبہ گزرتا ہوگا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا ہے کہ میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہو اور اس نے مجھے حق و باطل کی اس لڑائی میں تنہا چھوڑ دیا ہو۔

سورۂ ضحٰی کا نزول اس پر سورۂ ضحٰی نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا:

وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ (آیت ۱-۳)

"قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جبکہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے، اے نبیؐ، تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔

یعنی جس طرح دن کا روشن ہونا اور رات کا تاریکی اور سکون لیے ہوئے چھا جانا کچھ اس بنا پر نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ دن کے وقت لوگوں سے خوش اور رات کے وقت ان سے ناراض ہو جاتا ہے، بلکہ یہ دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت و مصلحت کے تحت طاری ہوتی ہیں، اسی طرح کبھی تم پر وحی بھیجنا اور کبھی اس کو روک لینا بھی حکمت و مصلحت ہی کی بنا پر ہے، اس کا کوئی تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ جب اللہ تم سے خوش ہو تو وحی بھیجے اور جب وہ وحی نہ بھیجے تو اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ تم سے ناخوش ہے اور اس نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ دن کی روشنی اگر مسلسل آدمی پر طاری رہے تو وہ اُسے تھکا دے، اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ دن کے بعد رات آئے تاکہ اس میں انسان کو سکون ملے۔ اسی طرح وحی کی روشنی اگر تم پر پے درپے پڑتی رہے تو تمہارے اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں گے، اسی لیے وقتاً فوقتاً فَتْرَۃ (وحی بند رہنے) کا ایک زمانہ بھی اللہ تعالیٰ نے اس مصلحت کی بنا پر رکھا ہے کہ نزولِ وحی سے جو بار تم پر پڑتا ہے اس کے اثرات زائل ہو جائیں اور تمہیں سکون حاصل ہو جائے۔[1]

اس کے بعد فرمایا:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (آیت ۴) "اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دَور پہلے دَور سے بہتر ہے۔"

یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں دی تھی جبکہ چند مٹھی بھر آدمی آپ کے ساتھ تھے، ساری قوم مخالفت پر تُلی ہوئی تھی، بظاہر کامیابی کے آثار دُور دُور تک کہیں نظر نہ آ رہے تھے، اسلام کی شمع مکے ہی میں ٹمٹما رہی تھی، اور اس کو بجھانے کے لیے ہر طرف طوفان اُٹھ رہے تھے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ

---

[1] نزولِ وحی کا بار حضورؐ پر کس قدر شدید پڑتا تھا اس کا اندازہ اُن روایات سے ہوتا ہے جو اس کے متعلق احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپؐ اپنا زانو میرے زانو پر رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے زانو پر اس وقت ایسا سخت بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا اب ٹوٹ جائے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے زمانے میں حضورؐ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے، آپ کی پیشانی سے اُس وقت پسینہ ٹپکنے لگتا تھا (بخاری، مسلم، مالک، ترمذی، نسائی)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب کبھی آپ پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپ اُونٹنی پر بیٹھے ہوتے تو اُونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیتی تھی اور اُس وقت تک حرکت نہ کر سکتی تھی جب تک نزولِ وحی کا سلسلہ ختم نہ ہو جاتا (مسند احمد، حاکم، ابن جریر)۔

نے اپنے نبیؐ سے فرمایا کہ ابتدائی دَور کی مشکلات سے آپ ذرا پریشان نہ ہوں ۔ ہر بعد کا دَور پہلے دَور سے آپؐ کے لیے بہتر ثابت ہوگا ۔ آپ کی قوت، آپ کی عزّت وشوکت اور آپ کی قدر ومنزلت بڑھتی چلی جائے گی اور آپ کا نفوذ واثر پھیلتا جائے گا ۔ اور یہ وعدہ دنیا ہی تک کے لیے نہیں ہے بلکہ آخرت آپ کے لیے دُنیا سے بھی بہتر ہوگی ۔

پھر فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى "اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے" (آیت ۵)

یعنی اگرچہ دینے میں کچھ دیر تو لگے گی، لیکن وہ وقت دُور نہیں ہے جب تم پر تمہارے رب کی عطا وبخشش کی وہ بارش ہوگی کہ تم خوش ہو جاؤ گے ۔ یہ وعدہ حضوؐر کی زندگی ہی میں اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملک عرب جنوب کے سواحل سے لے کر شمال میں سلطنتِ روم کی شامی اور سلطنتِ فارس کی عراقی سرحدوں تک، اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحرِ احمر تک آپؐ کے زیرِ نگیں ہو گیا ۔ عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سرزمین ایک قانون اور ضابطہ کی تابع ہوگئی ۔ جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی ۔ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے وہ پورا ملک گونج اُٹھا جس کے مشرکین اور اہل کتاب اپنے جھوٹے کلمے بلند رکھنے کے لیے آخری دم تک ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے ۔ لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جھک گئے بلکہ ان کے دل بھی مسخّر ہوگئے، اور عقائد، اخلاق اور اعمال میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوگیا ۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ جاہلیت میں ڈوبی ہوئی ایک قوم صرف ۲۳ سال کے اندر اتنی بدل گئی ہو ۔ اس کے بعد حضوؐر کی برپا کی ہوئی تحریک اس طاقت سے اُٹھی کہ ایشیا ، افریقہ اور یورپ کے ایک بڑے حصّے پر چھا گئی اور دُنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے ۔ یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو دُنیا میں دیا ، اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا ۔

اسلام کس چیز کا علمبردار ہے

(اپریل کے آغاز میں اسلامک کونسل آف یورپ لندن میں ایک کانفرنس کر رہی ہے۔ یہ مقالہ اُسی کی فرمائش پر لکھ کر بھیجا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ اپنی بیماری کے باعث میں خود وہاں نہ جا سکا)

۱ - ابتدا ہی میں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے عقیدے کے مطابق اسلام کسی ایسے دین کا نام نہیں ہے جسے پہلی مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہو اور اِس بنا پر آپ کو بانیِ اسلام کہنا صحیح ہو۔ قرآن اس امر کی پوری صراحت کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے نوعِ انسانی کے لیے ہمیشہ ایک ہی دین بھیجا گیا ہے، اور وہ ہے اسلام — خدا کے آگے سرِ اطاعت جُھکا دینا۔ دُنیا کے مختلف حصّوں اور مختلف قوموں میں جو انبیاء بھی خدا کے بھیجے ہوئے آئے تھے، وہ اپنے کسی الگ دین کے بانی نہیں تھے کہ ان میں سے کسی کے لائے ہوئے دین کو نُوحِیّت، اور کسی کے دین کو ابراہیمیت، یا موسویت، یا عیسائیت کہا جا سکے۔ بلکہ ہر آنے والا نبی اُسی ایک دین کو پیش کرتا رہا جو اُس سے پہلے کے انبیاء پیش کرتے چلے آرہے تھے۔[۱]

۲ - انبیاء میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت دراصل یہ ہے کہ (۱) وہ خدا کے آخری نبی ہیں۔ (۲) ان کے ذریعہ سے خدا نے اُسی اصل دین کو پھر تازہ کر دیا جو تمام انبیاء کا لایا ہوا تھا۔ (۳) اُس میں جو آمیزشیں مختلف زمانوں کے لوگوں نے کر کے الگ الگ مذاہب (RELIGIONS) بنا لیے تھے اُن سب کو خدا نے چھانٹ کر الگ کر دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اصلی اور خالص اسلام کی تعلیم نوعِ انسانی کو دی۔ (۴) اُن کے بعد چونکہ خدا کو کوئی نبی بھیجنا نہیں تھا اس لیے اُن کو جو کتاب اُس نے دی اُسے اُس کی اصل زبان میں لفظ بلفظ محفوظ کر دیا،[۲]

---

[۱] الاحقاف: ۹ — آل عمران: ۱۹، ۶۷، ۸۳ تا ۸۵ — یونس: ۷۲، ۸۴ — البقرہ: ۱۲۸، ۱۳۱ تا ۱۳۳ — یوسف: ۱۰۱ — المائدہ: ۴۴، ۱۱۱ — النمل: ۴۴ —

[۲] الاحزاب: ۴۰ — الشوریٰ: ۱۳ — آل عمران: ۸۴ — البیّنہ: ۱، ۲، ۳ — الحجر: ۹ — البروج: ۲۲ —